بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

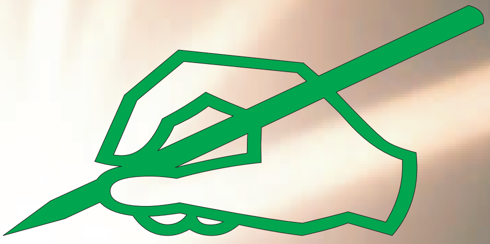

قلم بول رہا ھے

مجموعۂ غزل

سیّد ناصر شاہ چشتی

قلم بول رہا ھے

مجموعۂ غزل

سیّد ناصر شاہ چشتی

فہرست

۱۔ تیرے جیسا چلن اُس کو زمانے آ ہی جائے گا (صفحہ نمبر ۴)
۲۔ مِلتا ہے مگر کوئی حوالہ نہیں رکھتا (صفحہ نمبر ۵)
۳۔ گوز میں پر مکان رکھتے ہیں (صفحہ نمبر ۶)
۴۔ صبا کے جام میں مجُھے نچوڑ کر چمن پل (صفحہ نمبر ۷)
۵۔ کرے گی روح کو گھائل یہ پُر اسرار خاموشی (صفحہ نمبر ۸)
۶۔ خاموش ستم گر ہے ستم بول رہا ہے (صفحہ نمبر ۹)
۷۔ لمحہ لمحہ اُداس رہتا ہُوں (صفحہ نمبر ۱۰)
۸۔ بنے ہو ہم سفر جب سے سفر ہم نے خریدے ہیں (صفحہ نمبر ۱۱)
۹۔ تن من خاک میں رول دِیا ہے (صفحہ نمبر ۱۲)
۱۰۔ دِل میں جب اِک یاد پُرانی آتی ہے (صفحہ نمبر ۱۴)
۱۱۔ جِن لوگوں کو اندھے وقت کی دار پہ کھینچا جائے گا (صفحہ نمبر ۱۵)
۱۲۔ بیاں نامعتبر ہونے لگے ہیں (صفحہ نمبر ۱۶)
۱۳۔ مَیں تیری عنایت کا سزاوار نہیں ہُوں (صفحہ نمبر ۱۷)
۱۴۔ مہکنے پر سزا ہونے لگی ہے (صفحہ نمبر ۱۸)
۱۵۔ اپنی عادت ہوگئی ہے ایک منظر دیکھنا (صفحہ نمبر ۱۹)
۱۶۔ زرد رُت کو گُلاب کیا دے گا؟ (صفحہ نمبر ۲۰)
۱۷۔ ستم گر آنکھ کو پھر بھا گیا تو (صفحہ نمبر ۲۱)
۱۸۔ کبھی خوش تو کبھی بیدار نظر آتا ہے (صفحہ نمبر ۲۲)
۱۹۔ ہر زخم نئی آن سے مہکا ہُوا دیکھا (صفحہ نمبر ۲۳)
۲۰۔ مجُھ کو چھوڑ کے جانے والا ایک ہی شخص (صفحہ نمبر ۲۴)
۲۱۔ مر جاؤں گا دُنیا کو خبر ہونے نہیں دُوں گا (صفحہ نمبر ۲۵)
۲۲۔ آنکھ سے آنسو برسے ہیں (صفحہ نمبر ۲۶)
۲۳۔ مَیں نے گایا تھا جسے پیار کے نغموں کی طرح (صفحہ نمبر ۲۸)
۲۴۔ افکار کی دُنیا کوئی سمت دِکھا دیں (صفحہ نمبر ۲۹)
۲۵۔ ہے ناممُکن کہ ہو مُفلس کے شانوں پر بھی سَر پیدا (صفحہ نمبر ۲۰)
۲۶۔ زندگانی کا اعتبار گیا (صفحہ نمبر ۳۱)
۲۷۔ چند لمحوں کے لیے بھی مَیں کہیں ٹھہرا نہیں (صفحہ نمبر ۳۲)
۲۸۔ کتنے طوفاں اُٹھّے تھے (صفحہ نمبر ۳۳)
۲۹۔ ہر اک ذہن میں کھٹکا ہے (صفحہ نمبر ۳۵)
۳۰۔ نظر کے دِیپ جلاؤ کہ رات کالی ہے (صفحہ نمبر ۳۷)
۳۱۔ میرے تلووں میں جتنے بھی تھے آبلے (صفحہ نمبر ۳۸)
۳۲۔ خود سے کر کے پیار بہُت (صفحہ نمبر ۴۰)
۳۳۔ اپنے آپ سے ڈرتا ہُوں (صفحہ نمبر ۴۲)
۳۴۔ چیچہوں کی صدا نہیں آتی (صفحہ نمبر ۴۴)
۳۵۔ کام آئیں گی شوخ ہوائیں لیتا جا (صفحہ نمبر ۴۵)
۳۶۔ دُشمنی کا ختم اَب قصّہ کرو (صفحہ نمبر ۴۶)
۳۷۔ کام کرنے کا کر لیا جائے (صفحہ نمبر ۴۸)
۳۸۔ تیکھی تیکھی شعاعوں نے چُپ سادھ لی (صفحہ نمبر ۴۹)
۳۹۔ ظُلمتوں سے نباہ مَت کرنا (صفحہ نمبر ۵۱)
۴۰۔ آنکھوں میں درد سجائے پھرتا ہُوں (صفحہ نمبر ۵۳)
۴۱۔ بچھڑا وہ اس طرح کہ دوبارہ مِلا نہیں (صفحہ نمبر ۵۴)
۴۲۔ اختتامِ سفر بھی دیکھ لیا (صفحہ نمبر ۵۵)
۴۳۔ ظالموں سے حساب لینا ہے (صفحہ نمبر ۵۶)
۴۴۔ جو غم سہنے کا خُوگر ہو گیا ہُوں (صفحہ نمبر ۵۷)
۴۵۔ دیکھ ذرا حالات کے آنسو (صفحہ نمبر ۵۸)
۴۶۔ اگر کہنا تُو اُس کا مانتا ہے (صفحہ نمبر ۵۹)
۴۷۔ تیری محفل میں ایسے دیوانہ جاتا ہے (صفحہ نمبر ۶۰)
۴۸۔ خزاں میں بھی مہکتا جا رہا ہُوں (صفحہ نمبر ۶۱)
۴۹۔ کیسے جینا ہے، کیسے مرنا ہے؟ (صفحہ نمبر ۶۲)
۵۰۔ جذبات کو سینے میں دبایا نہیں جاتا (صفحہ نمبر ۶۳)

غزل

تِرے جیسا چلن اُس کو زمانے آ ہی جائے گا
ٹھکانہ جب نہ پائے گا، ٹھکانے آ ہی جائے گا

ہزاروں رنجشیں بھی ہوں مگر دِل کا مسلماں ہے
وہ پہلے کی طرح اب بھی منانے آ ہی جائے گا

غلَط فہمی کے یہ بادل بھی آخر چھٹ ہی جائیں گے
ندی میں چاند خود شب کو نہانے آ ہی جائے گا

قسَم کھا کر نہ آنے کی، وہ آیا تو یہیں آیا
وہ پھر جھوٹی قسَم کوئی اُٹھانے آ ہی جائے گا

وہ خوشبو کی قبا اوڑھے ہوئے پھرتا ہے روز و شب
اِدھر رُخ کر لیا جب بھی ہوا نے آ ہی جائے گا

یہ آہیں، درد، یادیں، اشک، فریادیں، گِلے شِکوے
امانت ہیں یہ سب اُس کے خزانے آ ہی جائے گا

وہ کِس کِس کو مِلے آخر، وہ کِس کِس کو رکھے دِل میں؟
بدلنے کے لیے اپنے ٹھکانے آ ہی جائے گا

اِسی اُمّید کا ناؔصر جلا کر دِیپ رکھا ہے
اگر سُن لی مری، میرے خُدا نے آ ہی جائے گا

غزل

مِلتا ہے مگر کوئی حوالہ نہیں رکھتا
پہچان میں کیا آئے جو چہرہ نہیں رکھتا

جل کر ہی نہ مَر جاؤں کڑی دھوپ کے ہاتھوں
بادل جو مِرے سر پہ ہے سایہ نہیں رکھتا

کیا مَیں ہی ترے پیار سے محروم رہوں گا؟
کیا میرا مُقدّر ہی ستارہ نہیں رکھتا؟

مَیں ڈوب کے بھی تشنہ لبی ساتھ لیے ہوں
دریا تو کناروں کو پیاسا نہیں رکھتا!

وہ پھول بتاؤ کہ جو خوشبو سے تہی ہو
وہ چاند بتاؤ کہ جو ہالہ نہیں رکھتا

پہچان بھی یاروں نے مِری چھین لی مُجھ سے
بندے کو تو اللہ بھی تنہا نہیں رکھتا

اِس شہر میں چھاؤں ہے نہ سایہ کسی شے کا
اِس شہر کا سُورج ہی اُجالا نہیں رکھتا

اِس جُرم کی پاداش میں مارا گیا ناصؔر
جو خود پہ دکھاوے کا لِبادہ نہیں رکھتا

غزل

گو زمیں پر مکان رکھتے ہیں
آسماں تک اُڑان رکھتے ہیں

تُم ادائیں جو بیچنا چاہو
رہن سارا جہان رکھتے ہیں

کرگزرتے ہیں جو بھی کہہ دیں ہم
مَردوں والی زُبان رکھتے ہیں

کُچھ نہ پاؤ گے جھانک کر دِل میں
ہم تو مُٹّھی میں جان رکھتے ہیں

سب کی نظروں سے بچ کے بات کرو
لوگ آنکھوں میں کان رکھتے ہیں!

تُم تو تُم ہو تُمھاری گلیوں کے
سارے پتھّر بھی شان رکھتے ہیں

ہم فقیروں کے بارے میں ناصؔر
لوگ کیا کیا گُمان رکھتے ہیں

غزل

صبا کے جام میں مُجھے نچوڑ کر چمن پِلا
مِری مُہیب رات کو تُو چاند کی کِرن پِلا
محبتوں کی آڑ میں نہ نفرتوں کا زہر دے
پِلانا ہے تو روح کو مٹھاس کا بدن پِلا
مِری نوا، نوا نہیں؛ صدا، صدائیں کھو چُکی
مِری صدا کو پائلوں کی تُو چھنَن چھنَن پِلا
خُدایا مَیں فقیر ہوں ابُوذری کی شان دے
ہوَس کے جو نقیب ہیں اُنہیں سیاہ دَھن پِلا
بہار کو بہار میں خزاؤں کے نہ رنگ دے
خزاؤں میں خزاؤں کو بہار کا چلَن پِلا
مُنافقت کے سانپ ہیں دِلوں میں گھر کِیے ہُوئے
اُنہیں وفا و آشتی و آگہی کا فَن پِلا
یہ ناصؔر آج کیا ہُوا، سماعتوں کا قحط ہے
اُنہیں غزل میں گھول کر صداؤں میں سُخن پِلا

غزل

کرے گی روح کو گھائل یہ پُراَسرار خاموشی
کہ محوِ رقص ہے اب تو سرِ بازار خاموشی

دِلوں میں تو قیامت سی مچا دی ہے صداؤں نے
مگر باہر تو ہے اب بھی پئے آزار خاموشی

نہ گھبراؤ کہ تُم میری طرح کر لو گے سمجھوتہ
تُمھارے گھر میں آج اُتری ہے پہلی بار خاموشی

دِلوں کی دھڑکنیں تک تو مَیں گِن سکتا ہوں محفل میں
مُسلّط ہو گئی ذہنوں پہ یوں عیّار خاموشی

کسی کی یاد آئی باندھ کر گھُنگھرُو جو آنگن میں
سرایت کر گئی چھَن چھَن میں دِل آزار خاموشی

عجَب سی سوگواری ہے، لہُو کے گرم چھینٹوں سے
بھلا اِس شہر کی توڑیں گے کیا اخبار خاموشی؟

سَلَب کر لی ہے گویائی جمُودِ وقت نے سب کی
بغاوت پر اُتر آئی ہے پھر اِک بار خاموشی

مَیں اپنے آپ سے نالاں بھی ہوں ناصرؔ گریزاں بھی
مِرا پیکر ہے خاموشی، مِری گفتار خاموشی

غزل

خاموش ستَم گر ہے، ستَم بول رہا ہے
مُدّت سے مِرے سِینے میں غَم بول رہا ہے

گُزرا ہے وہ کِس شان سے اِس راہ گزر سے
اُس شوخ کا ہر نقشِ قدم بول رہا ہے

حالات کے مُنصِف کے کٹہرے میں کھڑا ہوں
مَیں چُپ ہوں مگر میرا قلم بول رہا ہے

یاں بولنے والوں کی ہے خنجر سے تواضع
زِیرک ہے وُہی شخص جو کَم بول رہا ہے

ناصؔر ترِے اشعار میں اللہ رے شوخی!
لگتا ہے پسِ پردہ عدَم بول رہا ہے

غزل

لمحہ لمحہ اُداس رہتا ہے
دِل ہمارا اُداس رہتا ہے
مَیں تو مَیں ہُوں، تُمھارے جانے سے
میرا سایہ اُداس رہتا ہے
چاند کہتا ہے جانے کیا آ کر
ہر ستارہ اُداس رہتا ہے
مُسکرانے کی لاکھ کوشش کی
پھر بھی لہجہ اُداس رہتا ہے
تھرتھرائی ہے لَو چراغوں کی
اَور اُجالا اُداس رہتا ہے
ماندے ہارے مسافروں کی طرح
ذہن میرا اُداس رہتا ہے
جب وہ مِل کر بچھڑنے والا ہو
اِک زمانہ اُداس رہتا ہے
آئینہ ہی بتائے گا ناصرؔ
کون کتنا اُداس رہتا ہے؟

غزل

بنے ہو ہم سفر جب سے، سفر ہم نے خریدے ہیں
کبھی رہنا نہیں جن میں وہ گھر ہم نے خریدے ہیں

تُمھیں شاہوں کی چوکھٹ پہ پڑی دستار سے مطلب
رہیں جو وقت کے نیزے پہ سَر، ہم نے خریدے ہیں

ہمیں وہ مِل گیا آخر، جِسے اَوروں نے چاہا تھا
دُعا اغیار نے مانگی اثَر ہم نے خریدے ہیں

ہمارے چار سُو رہتا ہے اشکوں سے چراغاں سا
شجر تُم نے لگایا تھا، ثمر ہم نے خریدے ہیں

تُمھیں دیوار چُننے کا جُنون تھا، شوق تھا جاناں!
ہوائیں جِن سے آتی ہیں وہ دَر ہم نے خریدے ہیں

ہمارے گیت گائیں گی یہ لہریں عُمر بھر ناصرؔ
سفینے بیچ کر آخر بھنور ہم نے خریدے ہیں

غزل

تن من خاک میں رول دیا ہے
اِک اِک عقدہ کھول دیا ہے
پہلے کاٹ دِیے پر میرے
پھر دروازہ کھول دیا ہے
دِل کو کر کے دریا اُس نے
ہاتھوں میں کشکول دیا ہے
ہم نے اُس کو خوشبو سمجھا
اَور پھولوں میں تول دیا ہے
اِک دروازہ بند ہُوا تو
سَو دَر اُس نے کھول دیا ہے
دِل سے اشک نکال رہا ہوں
رَب نے آنکھ کا ڈول دیا ہے
اُس نے اپنے حُسن کا سُورج
میری غزَل میں گھول دیا ہے

میرے بُوڑھے ذہن کو اُس نے
سوچوں کا سمسول دیا ہے
جو کچھ میرے خُدا نے ناؔصر
مُجھ کو دیا انمول دیا ہے

غزل

دِل میں جب اِک یاد پُرانی آتی ہے
وہ بھی بن کے آنکھ میں پانی آتی ہے
کھول نہ اب معصوم خطاؤں کی قبریں
ہر اِک پر اِک بار جوانی آتی ہے
مت کھینچو تکرار کی سُولی پر اُس کو
مُدّت میں اِک رات سُہانی آتی ہے
سِیکھ لیے ہیں ہم نے گُر تنہائی کے
ہم کو بھی اَب رات بِتانی آتی ہے
لگ جاتا ہے تیری یاد کا میلہ سا
کم کم اب گھر میں ویرانی آتی ہے
کرتا ہوں قُربان ہزاروں اشکوں کو
یادِ حُسین کی جب قربانی آتی ہے
دِل بھی خون کے آنسو روتا ہے ہر پَل
اِس دریا پر بھی جولانی آتی ہے
دھوپ اُترتی ہے یُوں میرے گھر ناصؔر
جیسے کوئی شے بیگانی آتی ہے

غزل

جِن لوگوں کو اندھے وقت کی دار پہ کھینچا جائے گا
آنے والے وقت میں اُن کو ہِیرو لکھا جائے گا
رُسوائی کا داغ لگانا سوچ کے اپنی ہستی پر
لگ جانے کے بعد مگر یہ داغ نہ دھویا جائے گا
جِن لوگوں نے دن کو بھی دروازے مقفل رکھے ہیں
تاریکی میں سب سے پہلے اِن کو لُوٹا جائیگا
تنہائی کی بات کو چھوڑو تنہا ایک زمانہ ہے
دیکھنا ہے اِس بار کہاں تک تنہا تنہا جائے گا
یوں تو ہر محفل میں ناصؔر داد ہمیشہ پاتا ہوں
لیکن میری بات کو میرے بعد ہی سمجھا جائے گا

غزل

بیاں نامُعتبر ہونے لگے ہیں
کہ لہجے بے اثر ہونے لگے ہیں

زمیں نے موت اوڑھی ہے بدن پر
خلاؤں میں سفر ہونے لگے ہیں

دراز اب سائے ہوتے جا رہے ہیں
کہ ہم ہی مُختصر ہونے لگے ہیں!

اپاہج ہے نظامِ زندگی اب
یہ انساں بے ہُنر ہونے لگے ہیں

اندھیرا سسکیاں لینے لگا ہے
بدن پھولوں کے تر ہونے لگے ہیں

فضاؤں میں ہیں سنّاٹوں کی چیخیں
مُقفّل سارے دَر ہونے لگے ہیں

مِرے شہروں میں گُھس آئے ہیں جنگل
کہ اب نیلام گھر ہونے لگے ہیں

فنا کے گھاٹ جو اُترے تھے ناصؔر
وُہی لمحے امَر ہونے لگے ہیں

غزل

مَیں تیری عنایت کا سزاوار نہیں ہوں
سچ کہنے کا عادی ہوں اداکار نہیں ہوں

زنجیر کی پیروں میں صدا گونج رہی ہے
تُم پھر بھی بضد ہو کہ گرفتار نہیں ہوں

پیاسا ہوں مگر آنکھ میں رکھتا ہوں سمندر
خیرات کے ساون کا طلبگار نہیں ہوں

جَھڑ کر بھی اِسی خاک کے سینے پہ ِگروں گا
مَیں پھول تو ہوں پھول کی مہکار نہیں ہوں

ڈھلتا ہے جو سورج تو ڈھلے میری بلا سے
دیوار ہوں مَیں سایہءِ دیوار نہیں ہوں

ہر چیز کی تخلیق میں حکمت ہے خُدا کی
جِس حال میں ہوں جیسا ہوں بے کار نہیں ہوں

آنکھیں ہیں کُھلی میری جھپکتا ہوں مسلسل
اور آپ کی تکرار ہے بیدار نہیں ہوں

جب چاہے سجا لے مُجھے لب پر کوئی ناصؔر
ہوں پیار کی جھنکار مَیں للکار نہیں ہوں

Thank You for previewing this eBook

You can read the full version of this eBook in different formats:

- HTML (Free /Available to everyone)
- PDF / TXT (Available to V.I.P. members. Free Standard members can access up to 5 PDF/TXT eBooks per month each month)
- Epub & Mobipocket (Exclusive to V.I.P. members)

To download this full book, simply select the format you desire below